اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کی خدمات

اردو ایک ایسی زبان ہے جس کا ہیولیٰ اسی وطن کی خاک سے تیار ہوا اور یہ زبان یہیں پلی بڑھی اور پروان چڑھی۔ اردو کی تشکیل اور ترویج واشاعت میں جہاں ادبا وشعرا نے اپنا بڑا کارنامہ انجام دیا وہیں صوفیائے کرام نے بھی اس کی آبیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حالانکہ صوفیائے کرام نے اس زبان کو اسے فروغ دینے کے مقصد سے نہیں اپنایا تھا بلکہ وہ عوام کے درمیان اپنا درس عام کرنا چاہتے تھے۔ اس کام کے لئے انہیں عوام سے انہی کی زبان میں گفتگو کرنے کی ضرورت تھی۔ اردو کی نشوونما میں صوفیا نے جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اور بابائے اردو مولوی عبدالحق نے 'اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام' نامی کتاب لکھ کر اس کی ادبی اور تاریخی اہمیت کو مسلم کر دیا۔ صوفیا نے دین کا فریضہ انجام تو دیا ہی ساتھ ہی اردو کو فروغ دینے میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ مولوی عبدالحق بجا طور پر اس کی ستائش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''مسلمان درویش ہندوستا میں پر خطر اور دشوار گزار رستوں، سر بفلک پہاڑوں اور لق ودق بیابانوں کو طے کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے مخالف تھی، جہاں کی آب وہوا، رسم ورواج، صورت شکل، آداب واطوار، لباس، بات چیت غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو لیکن حال یہ ہے کہ انہیں مرے صدہا سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگان خدا صبح وشام ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر ان کے قدم پڑے تھے وہ اب تک 'شریف' اور 'مقدس' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ کیا بات تھی؟ بات یہ تھی کہ ان کے پاس دلوں کو کھینچنے کا وہ سامان تھا جو امرا وسلاطین کے پاس ہے اور نہ علما وحکام کے پاس۔''

یہ حقیقت مسلم ہے کہ بہت سے علما اور صوفیا تبلیغ دین کے لئے ہندوستان آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے نورِ ایماں سے لوگوں کے دلوں کو منور کیا۔ اس کام میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نام نامی نہایت گراں قدر ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوی زبان (اردو) میں ان کی تحریر کا کوئی نمونہ نہیں ملتا۔ تاہم مولوی عبدالحق اس بات کا برملا ذکر کرتے ہیں کہ معین الدین چشتیؒ کی عالم گیر مقبولیت کو دیکھتے ہوئے یقینی امر ہے کہ وہ ہندی زبان سے ضرور واقف تھے کیوں کہ ہندو بھی مسلمانوں سے کم ان کے معتقد نہیں۔ 'ہندالولی' کی ترکیب اور 'غریب نواز' کا لقب خود ان کی عام مقبولیت

کی صاف شہادت رہے ہیں۔''

البتہ شیخ فریدالدین شکر گنج کے دو اقوال مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ فریدالدین شکر گنج نے عوام سے رابطے میں اس زبان کو اختیار کیا تھا۔انہوں نے محمد شمیم دسنوی بہاری کے ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حوالے سے حضرت شیخ کی ایک غزل کا ذکر بھی کیا ہے جس کی ردیف 'ہے' اور قافیہ میں بھی اردو کے الفاظ شامل ہیں۔باقی الفاظ اور تراکیب فارسی کے ہیں۔مثلاً

وقت سحر وقت مناجات ہے
خیز دراں وقت کہ برکات ہے

اس غزل میں مقطع بھی شامل ہے جو اس طرح ہے ؎

پند شکر گنج کہ بہ دل جان شنو
ضایع مکن عمر کے ہیہات ہے

شیخ شرف الدین بوعلی قلندر سے بھی اردو کے واضح کلمات منسوب ہیں۔ایک محفل میں جب شیخ شرف الدین بوعلی قلندر نے اپنا اردو کلام سنایا تو امیر خسرو آبدیدہ ہوگئے۔بوعلی قلندر نے فرمایا' تو کا کچھ سمجھ دا ہے'۔اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ صوفیا کرام کے گھروں میں اور محفلوں میں بھی اس زبان کا بے تکلف استعمال ہوتا تھا۔شیخ شرف الدین بوعلی قلندر سے منسوب یہ شعر مشہور ہے ؎

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روے
بدھنا ایسی رین کو بھور کدھی نہ ہوے

اردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں امیر خسرو کا نام اہمیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔امیر خسرو سے کئی کہہ مکرنیاں بھی منسوب ہیں۔ان کی ایک غزل اردو اور فارسی ملی ہوئی زبان میں ہے۔جو اردو کی مشہور و معروف غزلوں میں ایک ہے۔ اس کا مطلع ہے

زحال مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

نظام الدین اولیا کے انتقال پر جو شعر انہوں نے کہا وہ مشہور زمانہ ہے

گوری سوئے سیج پر مکھ پہ ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئے چودیس

مولوی عبدالحق کے بقول میر تقی میر نے 'نکات الشعرا' میں ایک قطعہ امیر خسرو کا درج کیا ہے جو اس طرح ہے ؎

زرگر پسرے چوماہ پارا کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

امیر خسرو کے حوالے سے ہندوی کے دیگر نمونوں کے علاوہ کئی پہیلیوں کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن تحقیق سے یہ بات بھی واضح ہے کہ کچھ چیزیں ان کے نام سے منسوب کردی گئی ہیں فی الحقیقت ان کی ہیں نہیں لیکن اس کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اردو زبان کی تشکیل میں امیر خسرو کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیا کی خدمات کے حوالے سے حضرت گیسودراز بندہ نواز کا نام بھی قابل قدر ہے۔گیسو دراز صاحب تصانیف ہیں۔ان کی بیشتر تصانیف فارسی زبان میں ہیں لیکن 'معراج العاشقین' ان کی ایک مشہور اردو تصنیف ہے جسے مولوی عبدالحق نے مرتب کر کے شائع کیا۔گیسودراز درس کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے اور انہیں جو عربی اور فارسی زبان نہ جانتے تھے اردو زبان میں درس دیا کرتے تھے۔'معراج العاشقین' کا یہ اقتباس گیسودراز کی اردو زبان سے لگاؤ اور وابستگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''انسان کے بوجنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پیلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی، نفس اس کا امارہ۔۔۔ یعنے واجب کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو حسد تک سوں بدبوئی نالینا سو، بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو، کنیا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا نبض پہچان کوں دوا دینا۔''

حضرت گیسودراز بندہ نواز کے دیگر رسالے 'تلاوت الوجود، درالاسرار، شکارنامہ، تمثیل نامہ، ہشت مسائل وغیرہ کا بھی ذکر کرتا ہے لیکن خود بابائے اردو مولوی عبدالحق اس بات میں اشتباہ رکھتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں گیسودراز کی ہیں یا ان سے منسوب کردی گئی ہیں۔مولوی عبدالحق نے ایک غزل جس کا مقطع گیسودراز کا ہے اپنی کتاب میں کیا ہے۔اس کا مطلع ہے:

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا سار توں
ہوے نرم نہ تجھ اور چڑے پس کہائے گا آزار توں

شیخ بہاء الدین باجن سولھویں صدی میں ایک ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کا اردو کلام ملتا ہے۔انہوں نے اپنے مرشد شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کے ملفوظات کو بھی ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دی ہے۔اس کتاب کا نام 'خزانہ رحمت' ہے۔اردو کے معروف ناقد اور ادیب شمس الرحمان فاروقی نے انہیں اردو کا پہلا باقاعدہ ادیب قرار دیا ہے۔فاروقی اس کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

''خزائن رحمت''، میں شیخ نے ایک عرصۂ طویل کے لیے اردو زبان اور ادب کے حدود اربعہ بیان کردیے۔اس کی زبان ہندوی ہے، اس کی بحریں ہندستانی بھی ہیں اور فارسی بھی۔ اس کے مضامین

مذہبی رصوفیانہ بھی ہیں اور دنیاوی بھی اس شاعر کی جڑیں عوام میں گہری ہیں۔ اور ہر دلعزیز بن جانے کی صفت اس میں پوری طرح موجود ہے۔ اس کے معاملات میں زہد، روحانی اور صوفیانہ پاکیزگی نمایاں ہے۔ وطن کی محبت بھی ایک نمایاں وصف ہے۔ (اردو کا ابتدائی زمانہ ص: ۶۹۔۷۰)

ان کے کلام کے نمونہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اردو ان کی بول چال کی زبان رہی ہوگی۔ انہوں نے اس زبان میں برملا اشعار کہے ہیں۔ مثلاً

یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آن چھل بہت چھلائے آس چھوہری بہتی کمائے
آن روکر بہت ولائے
یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

یہ اشعار بھی ان سے منسوب ہیں ۔

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے
صوفی ان پر ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

اسی عہد سے تعلق رکھنے والے شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور شیخ علی محمد جیوگام دھنی ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے اردو زبان کو اپنایا اور تصوف کے اسرار و رموز بیان کئے۔ ان میں خصوصاً عبدالقدوس گنگوہی کی کثیر تصانیف ہیں۔ انہوں نے ہندی میں شاعری کی ہے۔ انکا تخلص الکھ داس تھا۔ 'رشد نامہ' ان کی ایک معروف تصنیف ہے جس میں تصوف کی باتیں ہیں۔ تصوف کے حوالے سے ان کے درج ذیل اشعار ان کی صوفیت کے ساتھ اردو سے ان کے تعلق کو بھی واضح کرتے ہیں۔ البتہ ان میں ہندی کے الفاظ بھی شامل ہیں۔

یہ جگ ناہیں ناج پی بوجھ برہم گیان
سو پانی سو بلبلا سوئی سرور جان
ایکی اوہو ایکی ماس ایکی سرور ایکی ہانس
گرمکھ بوجھ برہم گیان تیں تر لوک ایک کے جان

(جاری)

ڈاکٹر توقیر عالم، اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا مظہرالحق عربی و فارسی یونیورسٹی، پٹنہ